اسلام اِن موڈرن ہسٹری

ایک باب کا ترجمہ

از

پروفیسر ڈاکٹر ڈبلو، سی، اسمتھ

مترجم

(جناب ضیاء الحسن صاحب فاروقی ایم۔اے)

(۲)

بہر حال ۱۹۴۷ء کے خوفناک دن گذر گئے اور رفتہ رفتہ ہندوستان نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان دنوں کی یاد کو بھلا دیا جائے۔ لیکن اُس وقت کے گہرے زخم یکایک بھر نہیں سکتے، اور کوئی تلخی باقی نہ رہے، اس میں وقت لگے گا۔ پھر بھی دس سال کے اندر اندر مسلمانانِ ہند نے دھیرے دھیرے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ بڑے خطرے اب نہیں رہے۔ یعنی یہ کہ ہندوستان میں مسلمان ہمیشہ کے لئے فنا نہیں ہو جائیں گے ("جیسا کہ اسپین میں ہو چکا ہے") یا یہ، جیسا کہ بعض لوگوں کو اندیشہ تھا کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے۔ اکثریت نے محض جزوی طور پر مسلمانوں کو معاف اور ماضی کو فراموش کیا تھا، لیکن حکومت نے انھیں انتقام لینے سے باز رکھا۔

اس اکثریت کا جذبۂ خیر سگالی جس پر بہت سی چیزوں کا مدار اور انحصار تھا، مختلف حالات سے متاثر ہو رہا تھا، خاص طور سے جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، پاکستان کا رویہ اثر انداز ہوتا رہا۔ پاکستان مشرقی بنگال میں ہندوؤں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے اور خارجی معاملات میں ہندوستان سے متعلق اس کا رویہ کیا رہتا ہے، ان سب کا اثر ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ اکثریت کے رویہ اور رجحان پر پڑتا رہا ہے۔ جہاں ذرا بھی دونوں ملکوں کے تعلقات میں تناؤ پیدا ہوا، پاکستان

کے ہندوؤں کے حالات خراب ہوئے، اس کا اثر ہندوستانی مسلمانوں پر ضرور پڑا ہے، مشرقی بنگال میں ہندوؤں کی کوئی نئی بے اطمینانی، سرحدوں پر کوئی نیا واقعہ، نہری معاملات میں کھینچا تانی یا پناہ گزینوں کی جائداد کے متعلق کوئی نئی بات ———— ان سب کا اثر ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی پر ظاہر ہوا ہے۔ اس عمل اور رد عمل نے مسئلہ کشمیر کی پیچیدگیوں کو اور بھی الجھا دیا ہے۔ کشمیر اگر پاکستان کو مل جائے تو اس سے ہندی مسلمانوں کے مفاد کو سخت صدمہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ اگر کشمیر کے لئے پاکستان کی طرف سے کوئی دباؤ ڈالا جاتا ہے تو بھی ہندوستان میں مسلمانوں کا مفاد خطرہ میں آجاتا ہے۔ ہندوستان کے مسلم قوم پرست رہنماؤں نے اس حقیقت کو جان لیا ہے[1] اور اس کو ظاہر بھی کر دیا ہے لیکن پاکستانی اس بات کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔[2]

بہرحال کشمیر سب سے زیادہ اہم مسئلہ نہیں ہے۔ ہاں اس کے اثرات گہرائی تک پہنچ سکتے ہیں اور نتائج اہم ہو سکتے ہیں۔ لیکن "بنیادی طور پر زیادہ اہم وہ نقطۂ نظر یا فلاسفی ہے جو اعمال کے پیچھے کارفرما رہتی ہے۔ پاکستان کے وجود اور اس کے بعد کی سرگرمیوں کی بنیاد مسلم مفاد اور ہندوستانی نیشنلزم کے فرقہ وارانہ تاویلات پر ہے۔ ویسے تو باضابطہ طور پر اس کی سرکاری پالیسی حقائق کے دباؤ سے اثر پذیر ہو کر جلد ہی یہ ہو گئی تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر پاکستان کا کوئی غیر علاقائی حق نہیں ہے[3] مگر غیر سرکاری اور جذباتی طور پر اس حق کا احساس با اصرار باقی رہا۔ ہندوستان سے متعلق پاکستان کے رویہ میں اب بھی مخالفت کا عنصر غالب تھا اور اسے اصرار تھا کہ ہندوستانی حکومت غیر فرقہ وارانہ نہیں ہے[4] اس کے شہری نئے ہندوستان کی سیکولرازم کو

---

[1] ڈاکٹر فرینک گراہم اقوام متحدہ کے نمائندہ کے سامنے پیش کی ہوئی ایک یادداشت (۲۴ اگست ۱۹۵۱ء) جو ہندوستان کے ۱۴ چودہ مسلمان لیڈروں کی طرف سے تھی۔ [2] اس یادداشت کا رد عمل عام طور پر پاکستان میں یہ ہوا کہ یہ ایک مثال ہے اس بات کی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندو حکومت ہند نے کس طرح مغلوب کر رکھا ہے یہ رجحان اور یہ رد عمل سیاسی اعتبار سے حقیقت پسندی کے خلاف تھا۔ [3] لیاقت نہرو پیکٹ یا دہلی پیکٹ، ۸ اپریل ۱۹۵۰ء۔ اس کی پوری عبارت مڈل ایسٹ جرنل، واشنگٹن، ۴: ۳۴۴-۴۶، ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ خاص طور سے اس کا یہ پیراگراف ملاحظہ ہو: "دونوں حکومتوں کی یہ خواہش ہے کہ وہ اس بات پر زور دیں کہ اقلیتوں کو اسی ریاست کا وفادار رہنا ہے جس کے کہ وہ شہری ہیں۔ اور انھیں چاہئے کہ اپنی شکایتوں اور تکلیفوں کے مداوا کے لئے وہ اپنی ہی ریاست کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔ [4] اس ملک میں، خاص طور

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

تسلیم کرنے پر اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکے[۱]، اس کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرنا تو بڑی بات ہے۔ اس حقیقت کو محسوس کرنے کے بجائے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل کا انحصار ان کے "ہندوستانیت" اور ہندوستان کے سیکولرازم کی طرف بڑھنے میں ہے، پاکستان کا رجحان یہ رہا ہے کہ وہ اُس سیکولرازم کا مذاق اُڑائے[۲] اور یہ فرض کرے اور اس کی ہمت افزائی کرے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی ریاست کے وفادار نہیں ہیں[۳]۔

جزوی طور پر یہ صحیح ہے کہ اس صورت حال میں مختلف قومی مفادات کے تصادم کو بھی دخل ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی اور کچھ ہے، جس کی جڑیں مسلم لیگ کے اس نظریے سے ملتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے مغربی پاکستان میں باہر سے جانے والے ہر شخص پر واضح طور پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے۔ شائع شدہ لٹریچر میں بھی یہ چیز دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً حکومت کے پندرہ روزہ پاکستان نیوز ڈائجسٹ، کراچی کا تقریباً ہر شمارہ اور خاص طور سے روزنامہ ڈان، کراچی کے اداریے۔ [۱] یہ وہی قبل از تقسیم مسلم لیگ کا رویہ اور رجحان ہے جو اس نے کانگریس کے مقابلہ میں اختیار کیا تھا۔ یعنی اُسے اصرار تھا کہ نہ صرف مسلم لیگ ہی ایک مذہبی فرقہ ("قوم") کی نمایندہ ہے بلکہ کانگریس بھی محض ایک ہی فرقہ کی نمایندگی کرتی ہے اور اسے چاہیئے کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرے۔ لیگ اپنے آپ کو کبھی یہ ماننے پر تیار نہ کر سکی کہ کانگریس کا اصولاً اس سے مختلف تھا یعنی یہ کہ ان دونوں جماعتوں کے اختلافات دراصل ایک فرقہ وارانہ جماعت اور ایک غیر فرقہ وارانہ جماعت کے اختلافات تھے۔ یہی وہ حقیقی مسئلہ تھا جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان شروع سے مصالحت کی ہر کوشش ناکام ہوتی رہی۔ (ملاحظہ ہو:۔ ڈبلیو سی۔ اسمتھ کی کتاب، ماڈرن اسلام ان انڈیا، لاہور، ۱۹۴۳ء، صفحات ۲۹۲-۲۹۴، لندن، "۱۹۴۶ء" (یا غالباً ۱۹۴۷ء)، صفحات ۲۵۳-۲۵۴۔ [۲] مثلاً ڈان، کراچی کا اس سلسلہ میں طنز کا معیار یہ ہے کہ وہ "سیکولر انڈیا"، ہمیشہ commas کے ساتھ لکھے گا۔ لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ایسا ذمہ دار اور سوچنے والا شخص (جب وہ پاکستانی حکومت کے ایک رکن تھے) ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق اپنی مایوسی کو بڑی سنجیدگی کے ساتھ تحریری طور پر ظاہر کرے۔ پرنسٹن (امریکہ) میں ۱۹۵۳ء میں اسلامک کلچر پر غور و فکر کے لئے جو اجتماع ہوا تھا اس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنا مقالہ پڑھتے ہوئے فرمایا: "سو سال میں یا شاید اس سے کم مدت میں، ہو سکتا ہے کہ اس ملک (ہندوستان) میں مسلمان کا وجود ہی باقی نہ رہے۔" مقالہ کا عنوان تھا "دی فاؤنڈیشنز آف پاکستانی کلچر" جو "دی مسلم ورلڈ" (ہارٹ فرڈ) ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ [۳] قطع نظر اس کے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی پوزیشن پر اس کا کتنا برا اثر پڑتا ہے، نہ صرف تقریروں میں یہ باتیں کہی جاتی ہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کو جن میں بعض ذمہ دار جگہوں پر ہوتے ہیں، اپنا ملک چھوڑنے پر

(بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

ہیں کہ "ہندوستان کے مسلمان ایک قوم ہیں"۔ . . . . یہ نظریہ جب عمل میں آیا تو اپنے ساتھ تصادم اور تباہی بھی لایا۔ یہ نقطۂ نظر اب بھی باقی ہے اور جب تک یہ باقی رہے گا، دردناکی کے ساتھ انتشار بھی باقی رہے گا۔

یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کہ خیالات اگر ان پر پہلے ہی سے اچھی طرح غور و فکر نہ کر لیا جائے، جب عمل میں لائے جاتے ہیں تو ان کا تضاد واضح ہو جاتا ہے[ل]۔ دو قومی نظریے کی مشکل بھی یہی تھی۔ اس نظریے کے ساتھ ایک بڑا پروگرام تھا اور اس کے ساتھ جذبات کا ایک اتھاہ سمندر تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس "مسلم قوم" کے ایک طبقہ کے حق میں اس کے نتائج مضر ثابت ہوئے۔ یہ ہندوستانی مسلمان ہی ہیں جنھوں نے پاکستان کے مطالبہ کے بہامات کی بھاری قیمت ادا کی۔

اس طرح جذباتی تضادات کے ساتھ ساتھ جہاں پاکستان کی تجویز میں ایک مثبت تعمیری عنصر تھا وہاں شدید نفرت اور خوف کا منفی پہلو بھی شامل تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کے اس مثبت نصب العین کے سلسلہ میں کہ وہ آزاد ہو جائیں، ایک منفی جذباتیت کا اظہار کیا اور اُن کے آزاد ہونے کی خواہش کی مخالفت کرتے رہے۔ پاکستان بن گیا لیکن منفی رجحان باقی رہا، ہندوستان میں اس کے ردِ عمل کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ پاکستان کی خامیوں کی قیمت مسلمانانِ ہند ادا کر رہے ہیں نہ صرف موجودہ سرگرمیوں کے نتیجہ میں بلکہ نظریۂ پاکستان کے بنیادی عوامل کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ابھارا جاتا ہے، جوش اور بریگیڈیر انیس کی مثال پہلے دی جا چکی ہے۔ انھیں پاکستان اور حکومتِ پاکستان کی طرف سے طرح طرح کی پیش کش کی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں میں ہندوستانی یونیورسٹیوں کے وہ گریجویٹ بھی ہیں جو امتحان پاس کرنے کے بعد فوراً پاکستان چلے جاتے ہیں اور وہاں انھیں ملازمتیں مل جاتی ہیں۔

[ل] کم سے کم پاکستانیوں کے نزدیک مسٹر جناح ایک بڑے چالاک اور ہوشیار رہنما سمجھے جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ایک اچھے "مجادلہ باز" اور وکیل تھے۔ لیکن شاید یہ موقع مناسب نہیں ہے کہ اُن کی سیاست دانی اور تدبر کو معرضِ بحث میں لایا جائے۔ غالباً انھوں نے کبھی پنجاب اور بنگال کا نقشہ بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پنجاب کے نہری سسٹم کا سمجھنا تو بڑی بات ہے۔ کشمیر اور پاکستان کی سرحدوں کی موجودہ صورتِ حال کا تصور بھی وہ نہیں کر سکے تھے۔ اُن کے ذہن میں پاکستانی سرحدوں کا اور ہی نقشہ تھا۔ (ملاحظہ ہو: گاندھی جناح گفتگو۔ ۱۹۴۴ء)

پھر انتظار کرنا پسند کریں گے۔

لیکن حضرت علیؓ حق پر رہنے کے بعد جھکنے کے قائل نہ تھے وہ چال کرنے اور ناک میں رہنے کا کام نہیں کرتے تھے اور نہ باتوں میں لگی لپٹی یا ڈھکی چھپی رکھتے تھے پھر بھی معاویہؓ کے معاملے میں انھوں نے کسی جلد بازی سے کام نہیں لیا بلکہ مسود ابن مخرمہ کو اپنا ایک خط دے کر بھیجا جس میں معاویہؓ کو لکھا کہ وہ بیعت کرلیں اور شام کے رؤسا اور معززین کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آجائیں، خط میں یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ اپنے علاقے کے حاکم باقی رہیں گے کہا جاتا ہے کہ یہ خط حضرت علیؓ نے سبرہ جہنی کے ہاتھ روانہ کیا تھا، معاویہؓ نے جب یہ خط پڑھا تو کچھ جواب نہیں دیا بلکہ انتظار میں رکھا اور حیلے کی فکر کرتے لگے، حضرت علیؓ کا نامہ بر جب جواب پر اصرار کرتا تو اس کو خوفناک جنگ کے مناظر پیش کرتے والے اشعار سناتے[1]

حضرت عثمانؓ کے حادثے کا تیسرا مہینہ تھا جب معاویہؓ نے ایک دن بنی عبس کے ایک آدمی کو بلایا اور اس کو اپنے دستخط کا ایک طومار دیا جس کی سرخی تھی — من جانب معاویہ ابن ابی سفیان بنام علی ابن ابی طالب — اور اس کو ہدایت کردی کہ جب مدینہ میں داخل ہو تو اس لپٹے ہوئے کاغذ کو اونچا کردے کہ لوگ سرخی پڑھ لیں اس کے بعد اس کو علیؓ کے حوالے کردینا اور اگر وہ تمھارے آنے کے بارے میں تم سے کچھ باتیں کریں تو تم ان سے یوں کہنا — اور یوں کہنا — یہ عبسی مدینہ پہنچا اور طومار کو اتنا بلند کیا کہ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ معاویہ کا جواب لے جارہا ہے اب لوگوں کی آتش شوق تیز ہوتے لگی کہ دیکھیں معاویہ نے کیا لکھا ہے غالباً

---

[1] ادم ادامة حصن او خذا بیدی حربا ضروسا تشب الجزل والضرما
فی جارکم واھلکم اذ کان مقتلہ شنعاء شیبت الاصداغ واللھما
اعیا المسود بھا والسید ون فلم یوجد لھا غیرنا مولی ولاحکما

قلعہ کی طرح جمے رہو، یا پھر مجھے ایک ہولناک لڑائی کی دعوت دو۔
تمھارے پڑوسیوں اور لڑکوں کی ایسی سخت خوں ریزی ہوگی کہ کنپٹی اور سر کے بال سفید ہو جائیں گے۔
آقا اور غلام دونوں عاجز ہو جائیں گے اور ہمارے سوا کوئی والی اور حاکم نہ ہوگا۔

بہت سے لوگ عبسی کے پیچھے حضرت علیؓ کے مکان تک پہنچے ہوں گے، جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے وہ طومار آپ کو دیا آپ نے اس کو کھولا تو اس میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا پایا اس کے سوا اس میں کچھ نہ تھا تب آپ نے عبسی سے پوچھا کیا خبر لائے ہو اس نے جان کی امان طلب کی حضرت علیؓ نے منظور کر لیا اس کے بعد اس نے بتایا کہ شامی حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلا لینے کا پکا ارادہ کر چکے ہیں انھوں نے حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیراہن عوام کے لئے لٹکا دیا ہے جس کے گرد و پیش لوگ جمع ہیں اور زار و قطار رو رہے ہیں پھر اس نے کہا کہ شامی آپ کو حضرت عثمانؓ کے خون کا ملزم قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کے خون کے سوا ہمیں کوئی بات منظور نہیں، اس کے بعد عبسی باہر نکلا اور معاویہ کے خلاف مشتعل مجمع سے بڑی مشقت کے بعد چھٹکارا پا سکا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ کے بڑے بڑے لوگوں کو بلایا جن میں طلحہؓ اور زبیرؓ بھی تھے اور سب کے سامنے معاویہؓ کی پیش کش یعنی اعلانِ جنگ رکھا اور کہا بھلائی اسی میں ہے کہ فتنہ بڑھنے اور بڑے ہونے سے قبل ختم کر دیا جائے اور قبل اس کے کہ شامی ان پر حملہ آور ہوں۔ شامیوں پر حملہ کر دیا جائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی طرف سے حضرت علیؓ کو تسلی بخش جواب نہیں ملا اور لڑائی کے لئے جس جوش و خروش کی ضرورت تھی اس کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ پھر طلحہؓ اور زبیرؓ نے آپ سے مکہ جانے کی اجازت چاہی جس میں درخواست کی سی نرمی نہیں بلکہ مطالبہ اور اصرار کی سی شدت تھی اور عدم منظوری کی حالت میں خلاف ورزی کی دھمکی بھی، حضرت علیؓ نے کہا جہاں تک ہو سکے گا روکنے کی کوشش کی جائے گی۔

بہت سے مورخوں کا بیان ہے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کی غرض سے مکہ جانے کی اجازت چاہی تھی اور حضرت علیؓ کو ان کی اس غرض پر شبہ تھا اس لئے ان دونوں نے آپ کو یقین دلایا کہ ان کا مقصد صرف عمرہ ہے، بات جو بھی رہی ہو یہ دونوں، حضرت علیؓ کی مرضی سے یا خلافِ مرضی، بہر حال مکہ روانہ ہو گئے اور حضرت علیؓ شامیوں سے جنگ کی تیاری کرنے لگے کہ ان کے اقدام سے پہلے

خود حملہ کردیں۔

ابھی آپ لڑائی کی تیاریوں میں تھے کہ مکہ سے بے چین کردینے والی خبریں آئیں جن سے آپ کی رائے میں تبدیلی پیدا ہوگئی، اور آپ نے اپنا منصوبہ اور منزل بدل دی۔

علیؓ کے مخالفین

آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا حادثہ حج کے دنوں میں ہوا، اس وقت مدینہ کے بہت سے لوگ حج سے فارغ ہوکر واپس ہو رہے تھے، ان کو واقعے کی اطلاع مدینے کے راستے ہی میں ملی، ان میں کچھ تو ایسے تھے جو یہ سن کر مدینہ پہنچے اور حضرت علیؓ کی بیعت کرلی اور کچھ ایسے تھے جو خبر پاتے ہی اُلٹے پاؤں مکہ واپس آگئے اس لئے کہ فتنہ و فساد سے دور رہنا چاہتے تھے یا یہ کہ ان واقعات کا اُن پر بہت بُرا اثر پڑا اور ان کے دلوں میں نئے خلیفہ کے خلاف غصے اور مخالفت کے جذبات پنہاں تھے، خود مدینہ کے بعض لوگ جو حضرت علیؓ کی بیعت کے موقع پر حاضر تھے بیعت کرلینے یا بیعت سے انکار کردینے کے بعد مدینہ چھوڑ رہے تھے اس لئے کہ ان کو حضرت علیؓ سے اختلاف تھا یا اس لئے کہ وہ مکہ میں گوشہ نشین ہوجانا چاہتے تھے کیوں کہ مکہ مکرمہ امن و عافیت کا حرم ہے جہاں خون خرابہ نہیں ہوسکتا جہاں پہنچ جانے والے کو ڈرایا دھمکایا نہیں جاسکتا، چنانچہ عبداللہ ابن عمرؓ اپنی جان اور اپنا دین فتنوں سے بچائے مکہ کے لئے نکل پڑے، حضرت علیؓ ان کو واپس بلانے کے لئے سوار دوڑانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ آپ کی صاحب زادی ام کلثوم جو حضرت عمرؓ کی زوجہ محترمہ تھیں آگئیں اور حضرت علیؓ کو یقین دلایا کہ وہ شورش اور مخالفت پیدا کرنے کی غرض سے نہیں جارہے ہیں، طلحہؓ اور زبیرؓ نے بھی مکہ کا رُخ کیا جانے کا مقصد عمرہ کرنا بتایا، یا اطمینان دلایا کہ وہ معاویہؓ اور شامیوں کی طرف سے جنگ میں حصہ نہیں لیں گے پھر حضرت عثمانؓ کے گورنروں میں سے جس کو بھی موقع مل سکا وہ مکہ آگیا، عبداللہ ابن عامر آئے، یعلی ابن اُمیہ آئے اسی طرح بنی اُمیہ کے بہت سے آدمی آئے انھیں میں سے مروان

ابن الحکم اور سعید ابن العاص ہیں، ازواج مطہرات میں سے مکہ میں حفصہ بنت عمرؓ، ام سلمہؓ، اور عائشہؓ بنت ابو بکرؓ موجود تھیں حضرت عائشہؓ تو حج سے فراغت پاکر مدینہ روانہ ہو چکی تھیں راہ میں حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر ملی اور بتایا گیا کہ لوگوں نے طلحہؓ کی بیعت کر لی یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئیں اس لئے کہ ان کی طرح طلحہؓ بھی قبیلہ تیم کے تھے لیکن پھر ان کی ملاقات ایک ایسے آدمی سے ہوئی جس نے ان کو حقیقتِ حال سے باخبر کر دیا اور بتایا کہ مدینہ میں حضرت علیؓ کی بیعت کی جا چکی ہے یہ سن کر حضرت عائشہؓ کو بڑی کوفت ہوئی اور کہا علیؓ کو خلیفہ دیکھنے سے پہلے اچھا ہوتا کہ آسمان زمین پر گر پڑتا پھر ساتھ والوں سے کہا کہ مجھے واپس لے چلو چنانچہ مکہ واپس آگئیں، لوگوں میں یہ بات عام ہو چکی تھی کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے خوش نہیں ہیں بلکہ افک والی بات کے بعد تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت علیؓ سے سخت ناراض ہیں جب آنحضرتؐ کو تسلی دیتے ہوئے حضرت علیؓ نے عائشہؓ کو طلاق دے دینے کا اشارہ کیا اور کہہ دیا کہ — اور بہت سی عورتیں ہیں۔ یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جس میں اللہ نے حضرت عائشہؓ کی براءت کی ہے، پس حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کی یہ بات دل سے بھلا نہ سکیں، اس زمانے میں مسلمانوں کی تاریخ، جن زبردست اور موثر ترین شخصیتوں سے روشناس ہو سکی ان میں ایک شخصیت حضرت عائشہؓ کی بھی ہے، وہ اپنے والد ماجد کی طرح صرف نرم دل نہ تھیں بلکہ ان میں فاروق اعظمؓ کی طرح شدت بھی تھی، پھر وہ اس وراثت کی بھی خاص حصہ دار تھیں جو جاہلیت کے دور نے عربوں کو دیا تھا چنانچہ وہ بہت زیادہ اشعار یاد کرتی تھیں، پڑھتی تھیں اور برمحل پیش کیا کرتی تھیں اپنے والد کو حالتِ نزع میں دیکھ کر آپ نے جب شاعر کا یہ شعر پڑھا[1]

لعمرک ما یغنی الثراء عن الفتی اذا حشرجت یوما وضاق بها الصدر

زندگی کی قسم نزع کی حالت میں دولت انسان کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

---

[1] یہ شعر عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کا ہے۔

(باقی آئندہ)